فکرِ اقبال میں اسلام اور ملتِ اسلامیہ

Islam and Iqbal's Thought

ڈاکٹر زینت بی بی * ٭ ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی **

Abstract:

Iqbal believes in Islamic brotherhood and wants to base it on Islam. According to him, Islam is the code of life which has the solution to every human problem. A true Islamic society can only come into being by following the principles of Islam. In this article, Allama Iqbal has mentioned some of the reasons for the decline of the Islamic nation. One of the reasons is that the nation of Islam itself lacks the power of action in the Muslim nation. Another important reason is the blind imitation of aversion to religion, which Iqbal has instructed Muslims to avoid in his speech. In addition, regarding the future of Islam, he fears that the Muslims of the world may not be in the same predicament that their future may be tomorrow. So that Muslims can get rid of degradation and decline and celebrate themselves in the world. Let the whole world of Islam unite and live according to Islamic principles.

ملخص

علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کے زوال کے چند اسباب کا ذکر کیا ہے۔ان میں ایک سبب یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہی مسلمان قوم میں قوت عمل کا فقدان ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم سبب مذہب سے بیزاری کی اندھادھند تقلید ہے۔ جس سے بچنے کے لئے اقبال نے اپنے کلام میں جابجا مسلمانوں کو تلقین کی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ہے۔اس کے علاوہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں انہیں یہ اندیشہ ہے کہ مسلمانان عالم کی جس ابتر حالت میں ہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ان کا مستقبل کل بن جائے۔اس لیے انہوں نے مسلمانوں میں بیداری کا عنصر پیدا کرنے کے لیے شاعری میں آفاقیت کا پیغام دیا تاکہ مسلمان پستی اور زوال سے چھٹکارا حاصل کریں اور دنیا میں اپنے آپ کو منوا سکیں۔ تمام عالم اسلام متحد ہو کر اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں۔اس کے برعکس نااتفاقی کی کاراستہ منزل کی طرف نہیں بلکہ کے زوال پذیر ہوتا ہے۔

اقبال کو حضور ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔اس لیے انہوں نے نعتیہ کلام لکھا جس کی مثال کسی اور شاعر کے ہاں کم ملتی ہے اور مسلمانوں کو سنت رسول کی پیروی کرنے کی تلقین جو دنیا و آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ اقبال نے تصور قومیت کا جو تصور پیش کیا اس میں انہوں نے جغرافیائی حدود رنگ و نسل اور زبان کے امتیازات کو مٹا کر صحیح اسلامی قومیت کا تصور دیا تاکہ مسلمان صحیح معنوں میں اپنی ملت برقرار رکھ سکیں۔ نیز آپس میں اتحاد پیدا کر کے محکومی اور غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو جائیں۔

علامہ اقبال کے نزدیک دین پرانے زمانے میں صرف قومی تھا۔ جس طرح مصریوں، یونانیوں اور ہندوؤں کا تھا، اور بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا ہے۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی ہے کہ دین صرف انفرادی نوعیت کا ہے۔یورپ نے اسے (پرائیویٹ) ذاتی عقائد کا نام دیا ہے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے کہ جس نے سب سے پہلے بنی نوع انسان کو یہ پیغام دیا کے دین نہ تو قومی ہے اور نہ نسلی ہے، صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک اُمت کی تشکیل اور اس کے بقا کے لیے ضروری ہے۔

چونکہ اقبال اسلامی اخوت کے قائل ہیں اور اس کی بنیاد اسلام پر رکھنا چاہتے ہیں۔ان کے خیال کے مطابق اسلام ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس کے پاس ہر انسانی مسئلے کا حل موجود ہے۔ صحیح اسلامی معاشرہ صرف اسلام ہی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ہی وجود میں آسکتا ہے۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں(1)

یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے رنگ و نسل، نام و نسب اور ملک و قوم کے ظاہر ہی امتیازات ختم کر کے انسانوں کو ایک "ہیت اجتماعیہ" میں شامل کیا۔ اقبال مسلمانوں کو اسی کے قائل کرنا چاہتے ہیں۔چونکہ ملت اسلامیہ کے

زوال کے اسباب کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اسلام کے طریقوں سے منہ پھیر لیا تھا،اور طرح طرح کی غیر اسلامی رسومات اپنا کر زندگی گزار رہے تھے۔قرآن و حدیث سے ہٹ کر دوسرے مذاہب کی رسومات اپنا کر مذہب اسلام کے اصولوں کو بھول بیٹھے تھے۔ مسلمان حضورﷺ کی سنت مبارکہ سے ہٹ کر زندگی گزارنے کی وجہ سے غلامی اور پستی میں گرے ہوئے تھے۔مذہب سے بیزاری کی وجہ سے زوال اور پستی ان کی قسمت بن چکی تھی۔اس کا اظہار انہوں نے کھلے الفاظ کے ساتھ اپنی نظم "مذہب" میں کچھ یوں کیا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولﷺ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری(2)

چونکہ اقبال غلامی کو مذہب دنیا کی بدترین لعنت سمجھتے ہیں۔اس لیے مسلمانوں کو جابجا اپنی شاعری میں آزادی اور حریت کا سبق دیتے ہیں۔قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں اس زوال سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی تعلیمات میں تبلیغ حریت کا سبق ملتا ہے۔

"اقبال کو افسوس ہے کہ وہ اس ملک میں کیوں پیدا ہوا جہاں کے لوگوں کا ضمیر اس قدر بدل چکا ہے کہ وہ غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکالنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔"(3)

اقبال مسلمان قوم کو کو غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکالنے کا سبق دیتے ہیں،اور ایک ایسی امت قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا کعبہ، خدا، رسول، قرآن، دین اور ایمان ایک ہو۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک(4)

بدقسمتی سے دنیا کے مسلمان دنیاوی لالچ اور ہوس کے پنجوں میں جکڑے ہوئے تھے اور ہیں۔ملک و قوم اور وطن کی مصنوعی حدبندیوں نے بنی نوع انسان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔انہیں ایک مرکز یا نقطہ پر متحد کرنا ضروری تھا۔اقبال نے اپنے کلام میں جابجا اس کا ذکر کرتے ہیں کہ مسلمان دنیا میں متحد ہو جائیں اور قرآن و حدیث کے صحیح راستے پر چل پڑیں اور اپنی گردنوں سے غلامی کے اس طوق کو نکال کر پھینک دیں، جس کے سبب وہ در بدر کی

ٹھوکریں کھارہے ہیں۔اس حوالے سے "خضر راہ" میں لکھتے ہیں:

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز(5)

مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے قوم پرستی شروع کرر کھی تھی۔سیاسیات حاضرہ جو مذہب اسلام سے دوری کی وجہ سے ہو رہی تھی۔مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی اس کا اظہار انہوں نے اپنے خط میں بھی کیا ہے۔جو انہوں نے 5دسمبر 1925 کو میر سید غلام بیگ نیرنگ کے نام لکھا ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اور اقتصادی بہبودی ہے۔حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے۔جیسا کہ آج کل کی قوم پرستوں کے رویے سے معلوم ہوتا ہے۔تو مسلمان اپنے مقصد میں کبھی کامیاب اب نہ ہوں گے۔۔۔۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لئے ایک خطرہ عظیم ہے۔" (6)

ملت اسلامیہ کے زوال کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں۔ چونکہ اسلام انسان سے تخت وتاج کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس اس تخت وتاج کے مختار مطلق یعنی اللہ تعالی کی اطاعت اور وفاداری کا مطالبہ کرتا ہے۔جو مسلمانوں نے ترک کر دیا ہے اور اپنے مقصد کو بھول چکے ہیں۔تہذیب و تمدن کے اس انتہائی بلند مقام جو قرآن نے مسلمانوں کے لئے پیش کیا تھا اس سے گرنے کی وجہ کیا ہے؟

"شاعر مشرق کا خیال ہے کہ اس کی خاص وجہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے جو اصول فطرت کے عین مطابق اور ہم آہنگ ہے جس سے مسلمانوں کی رو گردانی ہے۔"(7)

مسلمان جس دلدل میں پھنس چکے تھے ان کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے علامہ نے ایک ڈرامائی انداز پیدا کر کے "شکوہ" اور "جواب شکوہ" جیسی بلند پایہ نظمیں لکھی۔جہاں انہوں نے مسلمانوں کو سبق دینے کی کوشش کی اور انہیں اپنے بلند پایا مقاصد جنہیں مسلمان قوم بھول چکی تھی یاد دلائے۔"جواب شکوہ" میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے دہر و منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں(8)

علامہ اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کی زبوں حالی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں قوت عمل کا فقدان تھا۔ مسلمانوں میں انتہا درجے کی تن آسانی پائی جاتی تھی۔اس کے علاوہ امت مسلمہ اپنے درخشندہ ماضی کو بھول چکی تھی۔اس سلسلے میں اقبال انہیں اپنے درخشاں ماضی کی جھلکیاں دکھائی اور "شکوہ" میں ان کی موجودہ زبوں حالی کو نمایاں کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے مقابلے میں حقیر و ذلیل اور رسوا ہیں دوسری قومیں اس پر خندہ زن ہیں۔اس کا اظہار انہوں نے "شکوہ" میں یوں کیا ہے:

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں (9)

مسلمانوں کی زبوں حالی، بے چارگی اور بے بسی کا ذکر انہوں نے مایوسانہ انداز میں کیا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان حریت کی چنگاریوں کو سلگانے کی کوشش کی تاکہ مسلمان اس تاریکی اور پستی سے نکل جائیں۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور پستی کو دیکھتے ہوئے اقبال نے اپنی شاعری میں جابجا مسلمانو ں کو اپنے درخشندہ ماضی کی یاد دلاتے ہوئے جذبہ عمل اور حرکت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہوئے انہیں اس تاریکی کی جس میں مشرقی اقوام خصوصاً مسلمان ڈوبے ہوئے تھے انہیں مستقبل سنوارنے کے لیے اسلام اور اس کے زریں اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کی ہے۔

"عالم اسلام خصوصاً ترکی کے حالات سے اقبال کی نظر دوسرے یورپی ملکوں کی طرف جاتی ہے۔ جہاں دنیا کی پہلی خوفناک جنگ لڑی گئی۔ اس کا سبب مختلف یورپی اقوام کی خود غرضیاں، مفاد پرستی اور نو آبادیاتی حسد اور ہوس تھی" (10)

مغرب سے مکمل مایوسی کے بعد اقبال کی نظروں میں انسانیت خصوصاً مسلمانوں کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔ ان کی نظر میں صرف مسلمان ہی اس دنیا کا بلبل ہے اور اس بلبل کو وہ جوش بہاں سے گیت گانے کے لئے اکساتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک کیوں کے مسلمانوں کے لئے صرف نام کا مسلمان ہونا ہی کوئی قابل فخر بات نہیں بلکہ مسلمان میں وہ کردار اور جذبہ عمل کو دیکھنا چاہتے ہیں جس سے مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو متحد ہونے اور اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظم "شمع اور شاعر" میں کیا ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ
نہیں(11)

اقبال کو مسلمانوں کا مستقبل دھندلا نظر آرہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ مذہب سے بیزاری تھی اور دوسری اہم وجہ جذبہِ عمل کا فقدان تھا۔ اس لیے انہیں مسلمانوں کے مستقبل کی دھندلی سی تصویر نظر آرہی تھی اور انہیں اس بات کا شدید احساس تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں میں جذبہ عمل و حرکت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور خودی کی تلقین کی ہے۔ علامہ مسلمانوں میں خودی کا جذبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ "طلوع اسلام" میں اسی حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا (12)

اسلامی تمدن کی یک رنگ اپنے تصور قومیت کے ایک حرکی عامل کے طور پر پیش کرنے کے بعد اقبال تصور قومیت میں یک جائی کے احساس کو فروغ دیتے ہیں۔ اسی طرح عمل و کردار کے جذبے کو فروغ دینے کی تلقین کرتے

ہیں :

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری
ہے(13)

چونکہ اقبال اسلام کا روشن مستقبل دیکھنا چاہتے تھے اس لیے اس دوران ترکوں کی فتح عالم اسلام کے لئے ایک بڑا سہارا تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عالم اسلام آب نیند سے بیدار ہو چکا ہے جبکہ دوسری طرف دنیا کی امامت کے دعویدار یورپ کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے کھل چکا تھا۔ یورپ کی تہذیب نے دنیا کو تباہی کے سوا کچھ نہ دیا تھا۔ اس لیے اقبال کے نزدیک مستقبل انسانیت کی صحیح رہنمائی اسلامی اصولوں کے تابع تھی۔ چنانچہ "طلوع اسلام" میں انہوں نے بڑی جوش و خروش کے ساتھ خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ہے۔

یہ مشتاقاں حدیث خواجہ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکار آمد(14)

علامہ کے یہاں ملت اسلام کی پوری تاریخ ہے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کی طرف بڑے لطیف اشارے کرتے ہوئے مسلمانوں کو مستقبلِ امید اور روشنی کی کرن دکھاتے ہیں۔ تاکہ مسلمان قوم صحیح اسلامی اصولوں پر کاربند ہو جائے۔ اس طرح دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں ان کی کامیابی یقینی ہے۔ جب کہ اسلامی اصولوں سے ہٹ کر ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید سے مسلمان قوم زنگ آلود ہو چکی تھی اور عورتیں جو مغرب کی تقلید میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں انہوں نے اس پر اپنے ظریفانہ انداز میں کچھ یوں طنز کیا ہے:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
آدش مغرب ہے مدنظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ (15)

اقبال نے اُن شہیدوں کو نہ بھلایا جنہوں نے اسلام کی خاطر اور قوم کی سربلندی کے لئے اپنی جانوں کے

نذرانے پیش کیے۔ان کے پاس جب تک ایسی مثالیں موجود ہیں۔ مسلمان قوم ایسی قوم ہے کہ ان کو کوئی بھی شکست نہیں دے سکتا۔

"دنیا کی کوئی طاقت اسے نیست و نابود نہیں کر سکتی ہے۔"(16)

اقبال کے نزدیک ملت اسلامیہ اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کر سکتی ہے۔اس سلسلے میں انہیں احساس تھا کہ میری کوشش بھی کسی درجے کار آمد ہو سکتی ہے لیکن اس کے لئے ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنی تمام کوششوں اور زندگی کے ہر لمحے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو مشعل راہ بنائے۔نوجوانوں کا مستقبل دیکھتے ہوئے انہیں اپنی شاعری میں جابجا تنبیہ کرتے ہیں کہ مسلمان نوجوان اپنے شاندار ماضی کو نہ بھولیں۔اور اپنے اسلاف کو یاد رکھیں۔ان کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارے تاکہ انہیں کامیابی نصیب ہو۔اپنی نظم "خطاب بہ جوانان اسلام "میں اس کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں :

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ(17)

اقبال نے مسلمانوں کو خودی کا درس دیا اور حرکت و عمل کے جذبے کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔تاکہ مسلمانوں کا مستقبل روشن ہو سکے اور مسلمان اس حالت سے نکل کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔اس لیے انہوں نے اپنے کلام میں ایسی تاثیر پیدا کی ہے جس سے مسلمانوں کا مستقبل سنور سکتا ہے۔مرد مومن جیسی تلمیحات کا استعمال اس سلسلے میں یوں کرتے ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں

تقدیریں(18)

اقبال کی تربیت ایک ایسے گھرانے میں ہوئی تھی جو اللہ والوں کا مسکن تھا۔جہاں ہر وقت عشقِ رسول کا سبق ہی ملتا تھا۔اس کے علاوہ ان کی تربیت میں مولوی میر حسن قابل ذکر ہیں برابر کے شریک ہیں۔علامہ کو حضور ﷺ سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت تھی اور آپ سے والہانہ لگاؤ علامہ کی زندگی کا مقصد تھا۔

"اقبال کا اس پر پختہ یقین تھا کہ کامل اتباع رسول ﷺ ہی مسلمانوں کے دکھ کا مداوہ ہے۔بلکہ پوری انسانیت کے لیے اس کو ذریعہ نجات خیال کرتے تھے۔"(19)

اقبال کو حضور ﷺ سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اس لیے انہیں اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان

حضور ﷺ کی سنت کی پیروی کیے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ انہوں نے ہمیشہ یہی پیغام دیا کے عشقِ رسول ﷺ سے دونوں جہانوں میں کامیابی ممکن ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں(20)

اقبال کے ہاں عشق رسول اتنا گہرا اور شدید ہے کہ مشرقی ادب میں اس کی دوسری مثال کہیں بھی نہیں ملتی۔ کیونکہ اقبال نے آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے علامہ کو پختہ یقین تھا کہ حضور ﷺ کی ذات بابرکت ہی تمام کمالات کا مجمع ہے۔

"جب کبھی حضور کا ذکر خیر ہوتا بیتاب ہو جاتے اور دیر تک روتے رہتے۔"(21)

اقبال نے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا بلکہ ساری کائنات کے لئے اسوہ حسنہ کو نجات کا ذریعہ تسلیم کرتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ مسلمانوں بلکہ پوری کائنات کا مستقبل اسلام ہی کی تعلیمات سے سرفراز ہو کر زندہ جاوید ہو سکتا ہے۔ بانگ درا میں شامل نظم "مذہب" میں اس کا اظہار یوں ملتا ہے کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ﷺ ہاشمی(22)

نبوت پر انہیں اس قدر ایمان تھا کہ بعض اوقات ایسی حدیثوں کو بھی بلا تامل قبول کر لیتے کہ جن میں حضور ﷺ کے کسی معجزے کا ذکر ہوتا۔ سرزمین عرب سے اقبال کو جو والہانہ محبت ہے اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ حضور ﷺ کی برکات و فیوض انہوں نے جس جوش و جذبے کے ساتھ کیا ہے وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اقبال کا کلام حضور کے عشق میں مکمل طور پر ڈوب ہوا نظر آتا ہے۔

"حتیٰ کہ ان کے فلسفہ خودی کا اصل الاصول بھی اسی پیغمبر کی پیروی و محبت ہے۔"(23)

ان کی پوری شاعری سنت رسول ﷺ کی پیروی کا سبق دیتے ہوئے نظر آتی ہے۔ اپنی نظم بعنوان "جنگ یرموک کا ایک واقعہ" میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ شہید ہونے والے نے کتنی خوشی سے حضور ﷺ کی پناہ میں جانے کی دعا کی ہے اور امیر فوج نے اس نوجوان کو اپنا پیغام دیتے ہوئے جو کہا علامہ نے بڑی خوبصورتی سے اس مکالمے کو اشعار میں جگہ دی ہے:

پہنچے جو بارگاہ رسول ﷺ امیں میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضور نے(24)

اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ خودی کا درس دیا ہے اس میں اسوہ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر مسلمانوں کی تربیت کرنی چاہی ہے اور یہی خودی مومن کی معراج ہو سکتی ہے۔اس کا سبق حضور ﷺ کی ذات مبارک اور معراج شریف سے ملتا ہے۔

"اقبال کے نزدیک معراج زندگی کے حرکی اصول اور تسخیر جہات کا پیغام ہے جو آنحضرت نے اپنی امت کو دیا ہے۔"(25)

مسلمانوں کو درس دینے کی مثال نظم "شکوہ" میں آپ نے خوبصورتی سے درج کیا ہے:

تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا ؟
بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا ہے؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا ؟
رسم سلمانؓ و اویس قرنیؒ کو چھوڑا؟ (26)

اقبال بعض اوقات وقت آپ ﷺ کی سیرت پر جب تقریر کرتے تو ایسی شگفتہ بحث کرتے کہ ہر سننے والا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔اس عشق کی بنا پر انہوں نے اپنی زندگی کے اختتامی دور میں ایسی نظمیں کہی ہیں جن میں حضور ﷺ سے والہانہ عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایک نظم "حضور رسالت مآب ﷺ " کے عنوان سے بھی کہی جو کہ ارمغان حجاز کی زینت بنی۔ان کے کلام سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کو حضور ﷺ سے کتنی گہری محبت اور عقیدت تھی اور اپنے کلام میں انہوں نے ہر جگہ مسلمانوں کو یہی تلقین کی کہ اتباع رسول ﷺ کی پیروی سے ہی ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔اس کے علاوہ اپنے خطبات میں بھی انہوں نے یہی سبق دیا ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا اصل ذریعہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات کی پیروی سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

اقبال "عقل" کے مقابلے میں "عشق" کو ترجیح دیتے ہیں۔ عشق کا تعلق حضور ﷺ اور خدا تعالی سے ہے۔وہ عشق کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ "عقل" محض ظاہری مشاہدہ ہی کر سکتی ہے۔"عشق" سے لامحدود کی تسخیر ممکن ہو سکتی ہے۔اپنی غزل کے ایک شعر میں "عقل" پر "عشق" کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ(27)

اقبال نے جو جذبہ عشق اور آپ ﷺ سے والہانہ لگاؤ اور عقیدت تھی۔ اس کا ذکر انہوں نے جابجا اپنے کلام میں کیا ہے اور مسلمانوں کو بھی یہی درس دیا ہے۔ اقبال مغربی تصور قومیت سے بد ظن تھے۔ اس کے بر عکس اسلامی تصور قومیت کے مبلغ تھے۔ ان کے نزدیک قوم سے مراد "ملت" اور مسلمان قوم سے مراد "ملت اسلامیہ" ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے کچھ اس انداز میں کیا ہے:

"میں نے۔۔۔۔۔ لفظ ملت قوم کے معنوں میں استعمال کیا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں شرح اور دین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔"(28)

وہ اس تصور کے مکمل طور پر خلاف ہیں جس کی بنیاد رنگ نسل یا وطن پر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال ایک وسیع انسانی برادری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قومیت کا آفاقی تصور دینا چاہتے ہیں جو جغرافیائی حدود کو بھی تصور قومیت سے الگ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اقبال فرماتے ہیں:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں(29)

گویا جہاں مذہب، روایات، تاریخ و تمدن وغیرہ مشترک ہو جائیں وہی جگہ مسلمانوں کا وطن ہو گا جو ایک آفاقی پیغام ہے۔ اس کے بر عکس اگر تعصب کی بنیاد پر پر وطن ملک قائم ہو گا جادو پھر مغربی قومیت اور اسلامی قومیت میں فرق نہیں ہو سکتا ہے۔ اقبال کے نزدیک ایک اسلام ہی وہ دین ہے جو رنگ و نسل اور زبان کی امتیازات سے بالاتر ہو کر تمام بنی نوع انسان کو متحد کرتا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ
نہیں(30)

اقبال کے ہاں "ملت" سے مراد "ملت اسلامیہ" ہے۔ وہ انسانی اخوت کے قائل ہیں اور اس کی بنیاد اسلام پر رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام ہی وہ ضابطہ حیات ہے کہ جس کے پاس ہر انسانی مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس وجہ سے اقبال قومیت کو اسلام کے دائرے سے باہر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ صحیح انسانی معاشرہ صرف اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر وجود میں آسکتا ہے اور اس کا سبب اپنے کلام میں جابجا علامہ نے دیا ہے۔

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے

نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے[31]

اقبال مغربی اقوام سے بد ظنی کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے کلام میں یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ مغربی اقوام کی تقلید نہ کی جائے اور اس کے مضر اثرات سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

یہ مذہب اسلام ہی ہے جو نسلی امتیازات کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اور ملک کے ظاہری امتیازات کو ختم کر کے انسانوں کو ایک ہیت اجتماعیہ میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے مسلمان اپنے دین کے نصب العین پر عمل پیرا نہ ہو سکے اور یہ قوم مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
(32)

اقبال دنیا کے مسلمانوں کو اخوت کا درس دیتے ہیں اور بتانِ خون و رنگ کو توڑ کر ملت میں گم ہو جانے کا پیغام دیتے ہیں۔ وطن کی مصنوعی حد بندیوں نے تو بنی نوع انسان کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے اور اب انہیں ایک پلیٹ فارم پر لانے کے واسطے ضروری ہے کہ اسلام کی قائم کردہ حد بندیوں میں اپنے آپ کو قید کر لیا جائے، تاکہ فلاح نصیب ہو سکے۔ اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا
غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا[33]

الغرض اقبال کہتے ہیں کہ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے اور نہ ہی اشتراکِ وطن ہے۔ بلکہ ہم لوگ تو اس برادری میں ہیں کہ جو حضور ﷺ نے قائم فرمائی۔ اسلام نے تو تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے اس لئے یہی قانون ملت اسلامیہ کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، بانگ درا (حصہ سوم)، جہلم: بک کارنر، س ن، ص249

2۔ ایضاً، ص303

3۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، گوہر پبلشرز، س ن، ص390

4۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا حصہ سوم، ص250

5۔ ایضاً، ص 317

6۔ عطاء اللہ شیخ، ترتیب اقبال نامہ، لاہور: اقبال اکیڈمی، جلد سوم، 2005ء ص196

7۔ ضیاءالدین احمد، اقبال کا فن اور فلسفہ، لاہور: بزم اقبال، 2001 ء، ص22

8۔ ڈاکٹر محمد اقبال، بانگ درا حصہ سوم، ص248

9۔ ایضاً، ص212،213

10۔ رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2004 ء، ص140

11۔ ڈاکٹر محمد اقبال، بانگ درا حصہ سوم، ص238

12۔ ایضاً، ص 326

13۔ ایضاً، ص327

14۔ ایضاً، ص 327

15۔ ایضاً، ص 335

16۔ رفیع الدین ہاشمی، اقبال کی طویل نظمیں، ص144

17۔ علامہ اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، ص229

18۔ ایضاً، ص 324

19۔ اکبر حسین قریشی، اقبال اور عشق رسول علامہ اقبال کا خصوصی مطالعہ، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 2001، ص101

20۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا حصہ سوم، ص258

21۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، لاہور: گوہر پبلشرز، ص91

22۔ علامہ اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، ص303

23۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، 2006، ص209

24۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا حصہ سوم، ص303

25۔ یوسف حسین خان، روح اقبال، لاہور: القمر انٹر پرائیزز 1996، ص455

26۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، ص214

27۔ ایضاً، ص 334

28۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، لاہور: گوہر پبلشرز، س ن، ص399

29۔ علامہ محمد اقبال، بانگ درا، حصہ سوم، ص249

30۔ ایضاً، ص238

31۔ ایضاً، ص256

32۔ ایضاً، ص249

33۔ ایضاً، ص326،325